

فیوض رمضان

افادات مولانا اشرف علی تھانویؒ

اختہ و تدوین: خرم مراد

قیام رمضان، تقلیل منام

تراویح قیام رمضان کا نام ہے۔ یہ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے، اور احادیث میں اس کو قیام رمضان سے تعبیر کرنا اس کی دلیل ہے کہ تراویح تہجد سے الگ کوئی عبادت ہے، کیونکہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جس طرح صوم کو تقلیل طعام میں دخل ہے، اسی طرح تراویح کو تقلیل منام میں دخل ہے۔ اور جیسا روزہ میں تبدیل عادت کی وجہ سے مجاہدہ کی شان آئی تھی، اسی طرح یہاں بھی شریعت نے محض تبدیل عادت سے مجاہدہ کا کام لیا ہے۔ کیوں کہ عام عادت یہی ہے کہ اکثر لوگ عشا کے بعد فوراً سو رہتے ہیں تو نیند کے وقت میں تراویح کا حکم دے کر عادت کو بدل دیا۔ اس سے نفس پر گرانی ہوتی ہے جو کہ مجاہدہ ہے۔ پھر عموماً نیند کا وقت نکل جانے کے بعد دیر میں نیند آتی ہے۔ اس طرح بھی تقلیل منام ہو جاتی ہے۔ تراویح سے مجاہدہ کا ثمرہ اس طرح بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ آزادی کے ساتھ جاگنا گراں نہیں ہوتا مگر نیند کی آمد کے ساتھ فوراً ہی گرانی شروع ہو جاتی ہے۔ شریعت نے اس راز کو سمجھا اور تقلیل منام کے لیے عجیب مجاہدہ تجویز کیا ہے۔ واللہ شریعت پر تو یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ (مفہوم) بے شک جہاں بھی نظر ڈالتا ہوں حسن میرنے دل کا دامن کھینچتا ہے کہ بس اسی پر نظر جمائے رہ۔

غرض شریعت نے رمضان میں صرف بیس رکعت تراویح مقرر کر کے تقلیل منام کی ایک معتدل صورت کر دی۔ دوسرے طریقوں میں مرتا نین آکھیں پھوڑتے تھے، چھت میں رسیاں باندھتے تھے کہ جب نیند آتی اس میں لٹک جاتے، جس سے نیند اڑ جاتی تھی۔

تم کو حکمت و اسرار جاننے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بس خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھ کر عمل شروع کر دو۔ آخر اگر کوئی ڈاکٹر تم کو گولیاں دے دے تو ان کو جلدی سے منہ میں کیوں دبا لیتے ہو۔ روزہ میں اور تراویح میں کچھ ہی اسرار ہوں تم کو اس سے کیا بحث، تم کو عمل سے کام ہے۔ مقصود تو رضائے

حق ہے اور وہ عمل سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اسرار کے جاننے پر رضا موقوف نہیں۔ اہل ریاضتِ تقلیل منام کے لیے جو صورتیں مجاہدات کی اختیار کرتے ہیں ان کو دیکھ کر پھر شرعی مجاہدہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے کیا شاہانہ علاج کیا ہے۔ نہ آنکھیں پھوڑنے کی ضرورت ہے، نہ رسیاں باندھنے کی، نہ سیاہ مرچیں چبانے کی، بلکہ بیس رکعت تراویحِ عشا کے بعد پڑھ کر سو رہو، تقلیل منام ہو گیا۔

پھر مزید لطافت یہ کہ تراویحِ جماعت سے ہوتی ہے۔ الگ الگ جاگنا مشکل تھا، جماعت کے ساتھ جاگنا اور بھی سہل ہو گیا۔ پھر بیچ میں ہر چار رکعت پر قدرے توقف مستحب کیا گیا، جس میں اگر کسی کو نیند آنے لگے تو وہ مثل ہلکتا ہے، پانی منہ میں ڈال سکتا ہے۔

اس تقلیل کو تہجد سے اور تقویت ہو جاتی ہے۔ خصوصاً لیالی قدر میں۔ ان راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے تمام اجزا سے زیادہ جاگنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ ان راتوں میں حضور ازواجِ مطہرات کو بھی اہتمام کے ساتھ جگاتے تھے۔ پھر ان میں بھی شریعت نے ہماری کس قدر رعایت کی ہے کہ لیالی قدر پے در پے نہیں ہیں بلکہ طاق راتیں ہیں۔ بیچ میں ایک ایک رات کا فصل رکھا گیا ہے تاکہ ایک رات زیادہ جاگ کر بیچ کی رات میں زیادہ سو لو۔ اور تہجد کے لیے جاگنا خاص رمضان کی راتوں میں کچھ بھی مشکل نہیں کیونکہ سحری کے لیے اکثر لوگ اٹھتے ہی ہیں تو کھانے سے پہلے کچھ رکعتیں نماز کی پڑھ لینا کیا دشوار ہے۔ اسی لیے جو شخص تہجد کا عادی بنا چاہے اس کو رمضان میں عادی بنانا نہایت آسان ہے، کیونکہ اس میں تہجد کے لیے اٹھنا مشکل نہیں، سحری کھانے سب ہی اٹھتے ہیں۔

عمل، قربِ الہی کا ذریعہ

شریعت نے ایک اور رعایت کی ہے جس پر سو جان سے فدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ مجاہدہ مرتانین کے نزدیک تو محض ترک کا نام ہے، مثلاً ترک طعام و ترک منام وغیرہ، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ترک پر اکتفا نہیں کیا۔ آپ نے اس کے ساتھ افعال بھی مشروع فرمائے ہیں۔ مجاہدات حقیقیہ یہ اعمال ہی ہیں، اور تزوک تو مجاہدات حقیقیہ کے لیے معاون ہونے کے سبب مجاہدہ کے حکم میں ہیں۔ وجہ یہ کہ قرب الی اللہ کے لیے اعمال ہی ذریعہ ہیں۔ مثلاً روزہ میں صرف ترک طعام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اور کام بھی مشروع کیے گئے ہیں۔ عملاً بھی اور قولاً بھی۔

عملاً تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ حدیث شریف میں یوں وارد ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہر وقت ہی سب سے زیادہ سخی تھے مگر سب سے بڑھ کر رمضان میں آپ سخی ہوتے تھے، اور جبریل علیہ السلام شب میں آپ سے ملتے تھے، ان کی ملاقات کے وقت آپ ہوا سے بھی زیادہ فیض رساں

ہوتے تھے۔ اس سخاوت میں سے بعض کی تصریح بھی وارد ہے۔ مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابن عباس، آیا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں ہر قیدی کو آزاد فرما دیتے تھے اور ہر سائل کو عطا فرماتے تھے۔ اس طرح آپ نے عملی تعلیم فرمائی ہے کہ رمضان میں اور دنوں سے زیادہ فیض رساں ہونا چاہیے۔

لور قولاً یہ کہ، آپ ارشاد فرماتے ہیں: یہ مہینہ ہمدردی کا ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے، جو اس میں نقل کرے اس کو لور دونوں کے فرض کے برابر ثواب ملے گا۔ اس میں کس قدر ترغیب و تحریص ہے۔ صدقہ خیرات اور اعمال صالحہ کی! کہ رمضان میں رکعات ناقلاً کا ثواب فرض نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ صدقہ ناقلاً کا ثواب قرض صدقہ کے برابر ملتا ہے، اور جو فرض کو اس ماہ میں ادا کرتے ہیں ان کو ستر فرضوں کا ثواب ملتا ہے۔

مگر اس سے بعض لوگوں نے کیا الٹا مطلب سمجھا! بعض لوگ رمضان سے پہلے بعض نیک کاموں کو روکے رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی کی زکوٰۃ کا سال شعبان میں پورا ہو گیا۔ اب وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ رمضان کے انتظار میں روکے رکھتا ہے، چاہے رمضان میں اس کو توفیق ہی نہ ہو، روپیہ چوری ہی ہو جائے یا رمضان کے انتظار میں محتاج کا قلیہ ہی ہو جائے۔ یاد رکھو شارع کا اس ترغیب سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رمضان کے انتظار میں نیک کاموں کو روکا جائے بلکہ شارع کا مقصود یہ ہے کہ اگر رمضان تک کسی کو توفیق نہ ہوئی ہو تو رمضان آنے کے بعد ہرگز دیر نہ کرے، جو کرنا ہو، کر ڈالے۔ رمضان سے پہلے کرنے سے روکنا مقصود نہیں۔ ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر کم فہمی نے یہ نتیجہ پیدا کیا کہ لوگ رمضان میں خرچ کرنے کے فضائل اور ثواب سن کر اس کے انتظار میں طاعات کو روکنے لگے۔ خوب سمجھ لو کہ نیکی میں جلدی کرنے میں خود بہت بڑا ثواب ہے۔ اور وہ اتنا بڑا ثواب ہے کہ رمضان سے پہلے جو تم خرچ کرو گے تو گو اس میں بہ نسبت رمضان میں خرچ کرنے کے، مقدار میں ثواب کم ہو، مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قرب الہی کے لیے وہ تعجیل بہتر ہے، اور اس درجہ میں اس کا ثواب رمضان کے ثواب سے بڑھ جائے گا۔ تمہیں کیا خبر ہے کہ شعبان میں اگر تم غریب کو زکوٰۃ دے دیتے، تو اس وقت اس کے دل سے کیسی دعا نکل جاتی جس کے سامنے ستر رمضان بھی بچے ہیں۔ یہی بات تو لوگوں کو معلوم نہیں۔ یاد رکھو جب زکوٰۃ کا سال پورا ہو جائے اس کے بعد تاخیر کرنے میں فقہا کا اختلاف ہے کہ اس تاخیر سے گناہ ہوتا ہے یا نہیں۔ احتیاط اسی میں ہے کہ وجوب کے بعد دیر نہ کی جائے تاکہ سب کے نزدیک گناہ سے محفوظ رہے۔ اگر رمضان کے انتظار میں صدقات کا روکنا موجب ثواب ہوتا تو شریعت نے کہیں تو یہ کہا ہوتا کہ رمضان سے اتنے دن پہلے تمام صدقات کو روک دو۔ جب شریعت نے کہیں یہ نہیں کہا تو اب ہمارا ایسا کرنا دین میں اضافہ اور بدعت ہے کہ جس کام کے لیے

شریعت نے ثواب بیان نہیں کیا تم اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہو۔

اسی طرح تقلیل منام میں بھی محض اس پر اکتفا نہیں کیا کہ خالی بیٹھے جاگتے رہو، بلکہ فرماتے ہیں: نیک بندے رات کو کم سویا کرتے تھے اور پچھلے حصہ شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔ یہاں تو استغفار مشروع ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: تَتَجَا فَيُجْنِبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (المسجدہ ۱۶:۳۲) ان کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں، اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔ یہاں مفسرین کا قول یہ ہے کہ یدعون سے یصلون مراد ہے۔ مطلب یہ کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں۔ مگر طرز کلام سے عموم ظاہر ہو رہا ہے، لہذا مطلق دعا و ذکر بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو تہجد کی توفیق نہ ہو تو رات کو کسی وقت جاگ کر تین بار سبحان اللہ کہہ کر ہی سو رہا کرے۔ وہ بھی يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا میں داخل ہو جائے گا۔ بس دو تین بجے جب آنکھ کھل جائے سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ لیا کرے۔ یہ تسبیح بھی کام آ جائے گی۔ حق تعالیٰ کے یہاں بڑی رحمت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کا رات کو کروٹیں بدلتے ہوئے اللہ اللہ کر لینا کام آ جائے گا اور آپ تہجد والوں میں شمار ہو جائیں گے۔ اگرچہ بے نماز کے تہجد ہوگی۔

غرض شریعت نے جاگنے کے ساتھ ذکر و استغفار و صلوٰۃ کو بھی مشروع فرمایا ہے محض بیداری پر اکتفا نہیں کیا۔ پھر اس میں ایسی بھی کوئی یہ قید نہیں کہ دو بجے اٹھو یا تین بجے اٹھو۔ بس صبح سے پہلے اٹھنا چاہیے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاللَّهُ يَقْدَرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ کہ رات اور دن کا پورا اندازہ حق تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔ یہ جملہ بے کار نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم اندازہ ٹھیک طور پر نہیں کر سکتے کہ ہمیشہ ایک ہی وقت پر اٹھو۔ اس لیے کسی خاص وقت کی تعیین لازم نہیں کی جاتی۔ جب آنکھ کھل جائے اسی وقت اٹھ جانا چاہیے۔ پھر بیماروں کو اور کسب معاش کرنے والوں کو وقت تھی۔ بیماروں اور مسافروں کو زیادہ بیداری معاف ہے۔ ان کی جب آنکھ کھل جائے صبح سے پہلے پہلے وہ جتنا قرآن پڑھ سکیں نماز میں پڑھ لیا کریں، چاہے دو ہی رکعت پڑھ لیا کریں۔ اس سے بھی کامل ثواب مل جائے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو حدیث میں آتا ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت پڑھ لیا کرے۔ اس کی نسبت کھفتاہ وارد ہے، جس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے بھی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے۔ سبحان اللہ۔

مطلوب عمل بے کیفیت نہیں

بعض لوگ مجاہدات بہ معنی تروک ہی کو مقصود سمجھ لیتے ہیں۔ غضب یہ ہے کہ بکثرت اہل علم کا بھی یہی حال ہے گو اعتقاد نہ ہو۔ وہ کم کھانے، کم ہونے، کم بات کرنے، کم ملنے جلنے کو نہایت اہتمام سے اختیار کرتے ہیں، اور گو جانتے ہیں کہ ان سے مقصود سہولت فی الاعمال ہے مگر باوجود اس کے پھر کیفیات کو مقصود

سمجھتے ہیں اور اعمال کو اصل مقصود نہیں سمجھتے۔ گو ان کا یہ اعتقاد نہ ہو مگر برتاؤ یہی ہے۔ چنانچہ مجاہدات کے بعد جب کیفیات ذوق و شوق و نشاط کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کام میں لگے رہتے ہیں۔ جہاں کبھی کسی وجہ سے ان کیفیات میں کمی پیدا ہوئی تو اب یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مجاہدہ ہی بے کار ہوا اور ہمارا ربہ خدا کے یہاں کم ہو گیا۔ پھر اس خیال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اعمال ہی سے بے رغبتی ہو جاتی ہے۔ اب اگر جاہل ہے تو اعمال بالکل چھوٹ گئے، اور اگر پکے ہوئے تو استغفار میں لگ گئے تاکہ وہ کیفیت عود کر آئے۔ استغفار اچھی چیز ہے مگر اس حالت کا تو علاج نہیں۔ تمہارا وہ خیال ہی غلط ہے کہ میں مردود ہو گیا جس کے تدارک کے لیے استغفار کر رہے ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ کبھی تو انس کی حالت میں کیفیات میں کمی ہو جاتی ہے۔ کبھی بیماری کی وجہ سے، کبھی حق تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوتا ہے کہ ہمارا بندہ اپنے لطف کے واسطے ہی کام کرتا ہے یا ہم اس کے مطلوب ہیں۔ یہاں استغفار سے کیسے کام چلے گا۔ اصل مقصود رضائے الہی ہے جس کا طریق عمل ہے۔ اور مجاہدات اس کے لیے محض سبب سہولت ہیں، خود مقصود نہیں۔ پس اگر عمل موجود ہو اور مجاہدہ کے آثار خاصہ مرتب نہ ہوں تو کچھ حرج نہیں، اور اگر مجاہدہ کے آثار خاصہ موجود ہوں اور عمل مفقود ہو تو وہ محض بے کار چیز ہیں۔

عمل کا معاملہ یہ ہے کہ اگر غیب سے یہ بھی آواز آجائے کہ تیرا عمل کچھ قبول نہیں، تو مردود ہے، اور یقین ہو جائے کہ یہ ندامتی ہے، جب بھی اپنے کام میں لگا رہے اور ہرگز عمل کو ترک نہ کرے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے۔ وہ مجاہدات بہت کرتا تھا، راتوں کو تہجد پڑھتا تھا، مگر اس کو کیفیات تو کیا ہوتیں، ایک دن غیب سے اس کو ایسا فضیحت کیا گیا کہ رات کو جب وہ تہجد کے لیے اٹھا تو ہاتف نے آواز دی کہ جو چاہے کر، یہاں کچھ قبول نہیں۔ اور یہ آواز اس زور سے آئی کہ اس کے ایک مرید نے بھی سن لی۔ مگر وہ اللہ کا بندہ اس پر بھی اپنا کام پورا کر کے ہٹا۔ اگلی رات ہوئی تو پھر لوٹا بدھتا لے کر تہجد کو اٹھے۔ مرید نے کہا، اتنی غیرت بھی کوئی چیز ہے۔ جب وہ کچھ بھی قبول نہیں کرتے تو پھر کاہے کے لیے مصیبت جھیلنے ہو، پڑ کے سو بھی رہو۔ اس کو اپنے شیخ کی حالت پر رنج تھا۔ اب شیخ کا جواب سنیں، واقعی طالب ایسے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا، بیٹا، یہ تو معلوم ہے کہ وہ کچھ قبول نہیں کرتے، مگر ان کے سوا میرے لیے کوئی دوسرا دروازہ بھی تو نہیں کہ ان کو چھوڑ کر وہیں چلا جاؤں۔ میرے لیے تو بس یہی ایک در ہے، اسی پر جان دے دوں گا، چاہے وہ قبول کریں یا رد کریں۔

اس بلا میں ہر زمانہ میں لوگ جتلا ہوئے ہیں کہ کیفیات کو مقصد سمجھ کر عمل کو ان کے تابع کرتے تھے۔ ذرا کیفیات میں کمی آئی، عمل کو ترک کر دیا۔ مولانا روم نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے: وہ ذاکر شائغل

تھا مگر اسے کچھ کیفیات وغیرہ حاصل نہ تھیں۔ شیطان نے اسے بسکایا کہ اندھیری کو ٹھنڈی میں لکریں مارتا ہے، ادھر سے نہ کچھ پیام نہ سلام نہ کیفیات نہ واردات۔ یہ عقل مند تہجد اور ذکر وغیرہ سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ گیا کہ واقعی اتنے دن کام کرتے کرتے ہو گئے، ادھر سے کچھ جواب ہی نہیں رسید بھی نہیں ملتی۔ جب یہ شخص سب کام چھوڑ کر سو رہا تو حق تعالیٰ کی طرف سے پوچھا گیا کہ آج کیوں سو رہا۔ اس نے وہی شکایت کی کہ اتنے دن کام کرتے کرتے ہو گئے، وہاں سے کوئی رسید ہی نہیں ملتی، نہ سوال ہے نہ جواب، اس لیے میں نے سب چھوڑ دیا۔ جواب ارشاد ہوا: یہ تیرا اللہ اللہ کرنا ہی ہمارا جواب ہے۔ اگر ہم کو تیرا ذکر پسند نہ ہوتا تو ہم تیری زبان سے اپنا نام نکلنے نہ دیتے۔ بلکہ زبان پکڑ لیتے، جس سے ایک دفعہ بھی اللہ نہ نکل سکتا۔ بس ایک بار اللہ کہہ کر جب دوبارہ اس کے نام کی توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلا قبول ہو گیا۔ اور یہی دوسرا ہماری طرف سے جواب ہے۔ علیٰ ہذا تمہارے دل میں جو سوز و درد ہے یہ ہماری طرف سے قاصد ہے۔ اگر ہم کو تعلق نہ ہوتا تو اپنا قاصد تیرے پاس نہ بھیجتے۔ کیونکہ ہمارا قاصد ہر شخص کے پاس نہیں جایا کرتا بلکہ جہاں ہم بھیجتا چاہتے ہیں، جاتا ہے۔

تقلیل کلام

مجلدہ کا ایک رکن تقلیل کلام ہے۔ یہ تقلیل طعام و تقلیل منام سے بھی زیادہ دشوار ہے۔ کیونکہ کھانے میں کچھ اہتمام تو کرنا پڑتا ہے، بخلاف بولنے کے کہ اس میں کچھ اہتمام ہی کرنا نہیں پڑتا۔ نہ زیادہ بولنے سے بد بھنسی ہوتی ہے۔ اسی طرح سونا ہے تو اس میں کبھی تقلیل ہوگی۔ آخر کہاں تک سوئے گا، کبھی تو جاگے گا۔ بخلاف اس زبان کے چرنے کے کہ اس کی کہیں انتہا ہی نہیں۔ یہ چرخہ چلنے سے ٹھکتا ہی نہیں کیونکہ اس کے لیے کچھ اہتمام کرنا ہی نہیں پڑتا۔ نہ زبان چلانے سے کچھ ٹھکن ہوتی ہے۔

دوسرا راز یہ ہے کہ انسان جس قدر مشغلے اختیار کرتا ہے لذت کے لیے اختیار کرتا ہے۔ سو کلام کے سوا دوسرے جس قدر مشغلے ہیں، ان میں کرنے سے لذت کم ہو جاتی ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد پھر کھانے میں مزا نہیں آتا۔ نیند بھر جانے کے بعد پھر سونے میں لذت نہیں آتی۔ مگر بولنے کی لذت ختم نہیں ہوتی، بلکہ جتنا بولتے جلاؤ اتنی ہی لذت بڑھتی جاتی ہے۔ اس لیے تقلیل کلام سب سے زیادہ دشوار ہے۔ مگر زیادہ بولنے میں آفات بہت ہیں اور اس سے گناہوں میں ابتلا بکثرت ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کی تقلیل کو مجلدہ کا ایک رکن قرار دیا گیا۔

لیکن تقلیل کلام کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری باتوں کو بھی کم کر دے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ فضول کلام چھوڑ دے، گو مباح ہی ہو۔ باقی جو باتیں حرام ہیں، جیسے جھوٹ اور غیبت و بہتان وغیرہ، وہ تو اس سے خود ہی چھوٹ جائیں گے۔ رہا ضروری کلام، سو اس کا ترک کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس سے یا ضروریات میں

حرج یا مخاطب کو تکلیف ہوگی۔ شریعت مقدسہ نے ضروری کلام کے واسطے نماز تک قطع کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً کوئی اندھا جا رہا ہو اور اس کے سامنے گڑھا ہو جس میں اس کے گرنے کا اندیشہ ہے، تو اگر تم نماز بھی پڑھ رہے ہو، تب بھی واجب ہے کہ اندھے کو گرنے سے بچاؤ، نماز کو توڑو اور اس سے کہو کہ ذرا بچ کر چلے، آگے گڑھا ہے۔ ایسے وقت میں خاموشی گناہ ہے، بلکہ نماز توڑ کر ٹاپنا کو گڑھے میں گرنے سے بچانا واجب ہے۔ مگر آج کل کے وظیفی نماز کو تو چاہے توڑ دیں مگر وظیفے کو نہیں توڑ سکتے۔ اس میں بات کرنے کی مجال نہیں، چاہے کسی پر کچھ ہی آئے۔ اللہ بچائے ایسے وظیفوں سے۔ آج کل وظیفوں کے ساتھ قرآن سے بھی زیادہ اوب کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ قرآن پڑھتے ہوئے تو دنیا کی ہزار باتیں کر لیں اور وظیفہ پڑھتے ہوئے دین کی ضروری بات بھی نہیں کرتے۔

تلاوتِ قرآن

تقلیل کلام کی ایک صورت تو یہ ہے کہ زبان کو بند کر لیا جائے، روزہ میں کسی سے بات ہی نہ کی جائے۔ یہ طریقہ ہماری شریعت میں نہیں ہے۔ اتنے طویل سکوت سے دنیوی کاروبار بھی بند ہو جائیں گے، اور بہت سے ضروری کاموں میں غلغلہ پڑے گا۔ دین کے کام بھی مثل وعظ و تبلیغ وغیرہ کے بند ہو جائیں گے۔ ہاں نماز میں سکوت مشروع ہے، مگر نماز تھوڑی دیر کی عبادت ہے۔ روزے میں ایک دوسرے طریقے سے تقلیل کلام کی رعایت کی گئی ہے۔ قلمدہ یہ ہے کہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح زبان بھی ایک وقت میں دو قسم کی باتیں نہیں کر سکتی۔ مثلاً جو شخص کتاب پڑھ رہا ہو وہ کتاب پڑھتے ہوئے بات نہیں کر سکتا، اگر بات کرے گا تو اس وقت کتاب نہ پڑھے گا۔ شریعت نے روزے میں کلام کو تو ممنوع نہیں کیا، لیکن نفس اور زبان کو دوسرے کلام کی طرف متوجہ کر دیا۔ اس طرح کہ روزے میں تلاوتِ قرآن کا اور ایام ہے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ چنانچہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا جبکہ کوئی عذر نہ ہو، حسب قول مشہور، سنت مومکہہ کر دیا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں خود تلاوتِ قرآن کا اور دنوں سے زیادہ اہتمام فرمایا۔ چنانچہ حدیثوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بالاتزام دور فرمانے کی تصریح ہے۔ سب مسلمانوں کو عملاً اس کی ترغیب دی ہے کہ رمضان میں تلاوتِ قرآن زیادہ کریں، خواہ وہ حافظ ہوں یا نہ ہوں، تراویح میں قرآن سنائیں یا نہ سنائیں۔ پھر آپ کا ارشاد ہے کہ قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ رمضان میں نفل طاعت کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے۔ تو اب رمضان میں تلاوتِ قرآن کرنے سے ایک ایک حرف پر جو دس نیکیاں ملیں گی ان میں ہر نیکی پر فرض کلام کے برابر ثواب ملے گا۔ اللہ اکبر کچھ ٹھکانا ہے اس ثواب کا، اس سے بھی لوگوں کو خواہ مخواہ تلاوت کی رغبت زیادہ ہوگی۔

رمضان میں تلاوت قرآن کا شریعت نے جو بہت ہی اہتمام کیا ہے اس میں راز یہ ہے کہ نزول قرآن آسمان اول پر رمضان ہی کے مہینے میں ہوا ہے۔ اس ماہ کو قرآن کے ساتھ خاص تعلق ہے جو دوسرے ایام کو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں تلاوت قرآن بالمشاہدہ اور دنوں سے زیادہ آسان بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان تلاوت قرآن میں مشغول ہو گا تو لامحالہ دنیوی باتوں میں تقلیل ہو گی، کیونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ تلاوت قرآن کے وقت اگر توجہ کے ساتھ تلاوت ہو، دوسری باتوں کا خیال بھی نہ آئے گا ورنہ زبان تو جب تک اس میں مشغول رہے گی اس وقت تک دنیوی باتوں سے رکی رہے گی۔ اس طرح ہے تلاوت قرآن کے ذریعے تقلیل کلام ہو جائے گی۔ پھر محض یہی نہیں کہ تقلیل کلام کا مجلدہ حاصل ہو گیا اور کوئی نفع حاصل نہ ہو۔ بلکہ اس میں ثواب بھی اتنا ہوتا ہے کہ کسی طاعت میں اتنا ثواب نہیں۔ ایک حرف پر سات سو نیکیاں تک ملتی ہیں، بلکہ **وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ** یعنی سات سو پر بھی اتنا نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔

اب بتلائے اگر شریعت بھی تقلیل کلام کی وہی صورت تجویز کرتی جو اہل ریاضت میں مستعمل ہے، کہ بس زبان کو گوند لگا دیا جائے اور بالکل خاموش بیٹھے رہا کریں، تو یہ دولت بے شمار کیوں کر حاصل ہو سکتی؟ شریعت کے قربان جانیے کہ اس نے مجلدہ تقلیل کلام کی وہ صورت تجویز کی جس سے اس مجلدے کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ زبان گنہاوں سے بچی رہے، فضول باتیں کرنے کی عادت کم ہو جائے، اور اس کے ساتھ ثواب بھی بے شمار ملتا رہے۔ اور ثواب ہی پر بس نہیں، بلکہ تلاوت قرآن میں بندے کو حق تعالیٰ کا ایک خاص قرب بھی حاصل ہوتا ہے، جو خاموش رہنے میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن میں ایک خاص تجلی ہے۔ جب اس کا ظہور قلب پر ہوتا ہے تو دل میں حق سبحانہ کے سوا کسی کی منجائش نہیں رہتی۔ قلب عظمت حق بے پر ہو جاتا ہے۔

ان باطنی دولتوں کے ساتھ قرآن میں ایک ظاہری لذت بھی ہے، جس کی وجہ سے کثرت تلاوت قرآن آسان ہو گی۔ اگر ذرا سا بھی ذوق ہو تو قرآن سے زیادہ کوئی کلام لذیذ نہیں۔ اس میں وہ لذت ہے کہ جتنا پڑھتے جاؤ، لذت بڑھتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کثرت تلاوت سے جی نہیں گھبراتا۔ بعض خدا کے بندے روزانہ ایک ختم کرتے ہیں۔ اگر قرآن میں یہ لذت نہ ہوتی تو بھلا روزانہ ایک ختم ہو سکتا تھا! ہرگز نہیں۔

بعض کلاموں میں یہ کمال ہوتا ہے کہ ان میں بغیر سمجھے بھی لطف آتا ہے۔ قرآن میں یہ صفت سب سے زیادہ ہے۔ اگر خدا نے فہم معانی کی بھی توفیق دی ہے، پھر تو اس لذت کا پوچھنا ہی کیا۔ بعض لوگ جن کو معانی قرآن کا ذوق ہے، ایک ایک آیت پر ٹخنوں دھرتے ہیں۔ بعض اللہ کے بندوں نے ایک ہی آیت کے تکرار میں رات سے صبح کر دی ہے۔ روتے جاتے ہیں اور ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے جاتے ہیں، پھر

بھی لذت ختم نہیں ہوتی۔ اگر کوئی صحیح قرآن پڑھنے والا ہو اور اس کے ساتھ خوش آواز بھی ہو، اس کا قرآن سنیں، واللہ بغیر کبھی بھی وہ لطف آئے گا جو کسی کلام میں نہ آئے گا۔

قرآن میں ایک بات یہ ہے لا یضلق من كثرة الود کہ یہ کلام بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا۔ ہر دفعہ تازہ کلام معلوم ہوتا ہے۔ کوئی غزل کیسی ہی عمدہ ہو، دس مرتبہ سن لو تو پھر اس کے سننے میں مزا نہیں آتا بلکہ جی گھبرانے لگتا ہے۔ قرآن کو نہ معلوم کتنی مرتبہ سنا ہو گا اور کتنی مرتبہ پڑھا ہو گا، یہ پرانا نہیں ہوتا۔ ہر دفعہ نیا لطف آتا ہے، بلکہ بار بار ختم کر کے پھر شروع کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں، اگر کسی دن ان کا معمول پورا نہ ہو اور تلاوت کا موقع نہ ملے، تو دن بھر ان کا دل برا رہتا ہے۔ جیسے بھوکے پیاسے کو روٹی اور پانی کی طلب ہوتی ہے، اس طرح ان کا دل تلاوت کو ترستا رہتا ہے۔ جب قرآن پڑھ لیتے ہیں اس وقت تسلی ہوتی ہے، جیسے بھوکے کو غذا مل گئی، پیاسے کو پانی مل گیا۔

غرض شریعت نے عجیب مجلدہ تجویز کیا ہے۔ اس میں تقلیل کلام کے ساتھ ظاہری لذت بھی ہے، اس کی کثرت قلب پر گراں بھی نہیں ہوتی۔ پھر اس میں قرب بھی بے انتہا ہے، ثواب بھی بے شمار ہے۔ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ روزے میں زبان بند کر لیا کرو، کیونکہ اس سے صرف تعلق مع الحق میں کمی ہو گی، تعلق مع الحق میں کیا زیادتی ہوئی۔ نتیجہ وہی ہو گا کہ دل دونوں سے خالی ہو جائے گا۔ بلکہ یہ کہا کہ قرآن کی تلاوت میں مشغول رہو۔ اس سے تعلق مع الخلق کی کمی کے ساتھ تعلق مع الحق بڑھتا رہے گا۔ اب دل خالی نہ ہو گا۔ ایک چیز نکلے گی اور اس کی جگہ تعلق مع اللہ بھرے گا، تو دل شیطان سے بالکل محفوظ رہے گا۔

نیکی کا ایک کام
اجر ہی اجر، مسلسل اجر

اس رمضان میں:

ترجمان القرآن کا ایک نیا قاری بنائیے

سالانہ خریداریا خرید کر پڑھنے والا قاری

آپ کی یہ چھوٹی سی نیکی

ترجمان کی اشاعت میں ۲۰ ہزار کا اضافہ کر سکتی ہے!

کیا آپ یہ نیکی کریں گے؟